تحقیقی مجلہ ارمغانِ سرحد
pISSN: 3079-904X
eISSN: 3079-9058
جلد ۲، شمارہ ۱، جنوری تا جون ۲۰۲۵ء (Vol:2, Issue:1, 2025) (Research Journal: Armaghan-e-Sarhad)
شعبہ اردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

"A Psychological Analysis of Literature Created in the Context of Historical Pandemics"

تاریخ میں گزری وباؤں کے پس منظر میں تخلیق شدہ ادب کا نفسیاتی جائزہ

طلعت حسنہ
گورنمنٹ گرلز کمیونٹی ماڈل سکول ترناو نمبر 1، ضلع دیر پائین

Talat Hussna
Teacher, Government Girls Community Model School.

Abstract:
There have been many great epidemics in the world and there are many literary works in the context of these epidemics in history. Fortunately, in every age, writers have responsibly written down their feelings and that is why, despite the passage of hundreds of years, it is because of their work that we are now aware of what happened to people at that time.
There is a special background to this creative literature which has a message of life, hope and uniqueness despite immense fear and uncertainty. These epidemics and tragedies not only influenced human culture but also inspired writers to create valuable literature by feeling pain, fear and hope caused by the epidemics. There is no significant research work on the psychological effects of the epidemic on literature. To fill this research gap, this study examines the attitudes, circumstances, feelings and attitudes of people in different eras and the psychological effects of the epidemic on authorship.
This research study has taken a psychological look at selected works from World Literature to Urdu Literature. In World Literature, Literature created in the context of plague epidemics in London during 1665-1666, Spanish flu in 1918, influenza in 1978, and plague in the French Algerian coastal city of Oran in 1947 was reviewed. While in Urdu literature, the literature created in the background of epidemics like cholera, smallpox and meningitis in India has been reviewed. In addition, literary letters were also reviewed.

Keywords: Epidemic, Literary Work, Psychological Review, despite, immense, fear

ا۔ پس منظر (Background)

تاریخ میں گزری وبائیں اب قصہ پارینہ بن چکی ہیں اور آج ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے لیکن ادب ہی کی وجہ سے ہمیں معلوم ہے کہ گزری وباؤں سے نہ صرف انسانی زندگیوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا بلکہ ان کی وجہ سے کئی مضبوط تہذیبیں معاشی طور پر زوال پذیر ہوئیں۔ سماجی، نفسیاتی، سیاسی اور نظریاتی مشکلات کی وجہ سے دنیا نے تیزی سے سماجی تبدیلیوں کا سامنا کیا۔ ان غیر معمولی وباؤں مثلاً جذام، انفلوئنزا، چیچک، ملیریا، بلیک ڈیتھ (طاعون)، ہیضہ، ہسپانوی فلو، سارس، اور ایبولا وغیرہ نے اپنے زمانے کے ادب کو بھی متاثر کیا، اور ان کی وجہ سے وقوع پزیر غیر معمولی واقعات نے ادب پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ ادب کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے کے لوگوں نے ان بے پناہ مشکلات (Challenges) کے باوجود اپنی بقا کے لیے کوششیں جاری رکھیں، تباہی کے بعد اپنا سفر دوبارہ شروع کیا اور ہمت، عزم اور حوصلے سے ان مشکلات کو شکست دی۔ کرونا نے بھی وبا کے بارے میں معاشرے کے رد عمل کے بہت سے دلچسپ پہلوؤں کو پیش کیا اور ایک پوشیدہ دشمن (وائرس) کی وجہ سے پیدا شدہ خوف نے لوگوں کے "سماجی نفسیات" کو متحرک کیا۔ اس باب میں منتخب شدہ تخلیقات کے تفصیلی جائزے سے پہلے پس منظر کو سمجھنے کے لیے تاریخ میں گزری وباؤں سے لیکر کرونا وبا تک، مختلف تخلیقات کا عمومی اور مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

II۔ وبا کے تناظر میں ادبی تخلیقات پر ایک نظر:

عام لوگ اگر تنہائی کا شکار ہو جائیں تو وہ ڈپریشن یعنی ذہنی دباؤ محسوس کرتے ہیں اور مسلسل تنہائی ان کے لئے عذاب بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس ادیبوں اور تخلیق کاروں کے لئے تنہائی ایک نعمت سے کم نہیں ہوتی۔ ان کو تنہائی کی وجہ سے یہ موقع مل جاتا ہے کہ وہ پوری یکسوئی، ارتکاز اور بغیر کسی خلل کے اپنا تخلیقی کام کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ادیبوں نے دوران اسیری یعنی جیل میں بہت ہی قیمتی ادب تخلیق کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط کا مجموعہ "غبار خاطر" اور فیض احمد فیض کا شعری مجموعہ "دست صباء" اس کی مثالیں ہیں۔ یہ حقیقیت ہے کہ تخلیق کار کسی بھی المیے یا حادثے سے تحریک پاتا ہے اور قیمتی ادب تخلیق کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وبا کے تناظر میں ہمیں عالمی ادب سے لیکر اردو ادب تک بہت سی قیمتی ادبی تخلیقات مل جاتی ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں دیا گیا ہے۔

ا۔ عالمی ادب:

حیرت انگیز طور پر تاریخ میں گزری وباؤں میں لوگوں کے نفسیاتی رویے آج کل کے رویوں سے زیادہ مختلف نہیں۔ کئی وبائیں ایسی ہیں جو سینکڑوں سال پہلے گزری ہیں اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اُس دور کے تخلیق کاروں نے وبا کے تناظر میں بہت کچھ لکھا ہے۔ وبا کے تناظر میں ناول اور کہانیاں بھی ہیں اور روزنامچے، مشاہدات اور یاداشتیں بھی محفوظ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آج بھی تاریخ میں گزری وباؤں اور ان کے اثرات سے باخبر ہیں۔ اگرچہ اس وقت لوگوں کے معاشرتی اور معاشی حالات مختلف

تھے، ابلاغ کے ذرائع محدود تھیں اور صحت کے حوالے سے بھی سہولیات آج کے مقابلے میں بہت کم تھیں لیکن اُن تخلیقات کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وبا کے بارے میں لوگوں کے جذبات اور احساسات یکساں تھے۔ ڈر اور خوف کے اظہار کے طریقے بھی زیادہ مختلف نہیں تھے۔ انسانی توہمّات میں اگرچہ کافی کمی آئی ہے لیکن پھر بھی وہی وہمی رویے آج تک محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

برطانوی مصنف ڈینئل ڈیفو نے ۱۷۲۲ء میں "A Journal of the Plague Year" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں ۱۶۶۵ء کے دوران برطانیہ میں آنے والے بوبونک طاعون کے تفصیلی حالات کا ذکر ہے۔ یہ کتاب افسانے اور ڈائری کی شکل میں لکھی گئی ہے جس میں ڈیفو کے چچا ہنری فو کی یادداشتیں ہیں کیونکہ مصنف کی عمر وبا کے دنوں میں صرف پانچ سال تھی۔ کتاب میں ہنری فو کے لئے HF کا نام لکھا گیا ہے۔ کتاب اگرچہ افسانوی ہے لیکن حقیقت سے قریب تر ہے کیونکہ اس میں طاعون کی تباہ کاریوں کو مختلف دستاویزات اور شماریات کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے۔ کتاب پڑھنے کے بعد یہی محسوس ہوتا ہے کہ لوگوں کے رویے آج کے رویوں سے مختلف نہیں تھے۔ لوگ کس قدر خوفزدہ تھے اس کو ڈینئل ڈیفو نے کچھ اس طرح لکھا ہے:

> "لندن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ آنسوؤں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اگرچہ لوگ ماتم کرنے سڑکوں پر نہیں نکل رہے تھے، نہ کسی نے اپنے قریبی دوستوں کے لیے سوگ کا رسمی کالا لباس پہنا تھا۔ لیکن سوگواروں کی آوازیں سچ مچ گلیوں میں سنائی دے رہی تھیں۔ گھروں کی کھڑکیوں اور دروازوں پر عورتوں اور بچوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں، جہاں ان کے عزیز ترین رشتے شاید مر رہے تھے، یا بس مر چکے تھے۔ یہ آوازیں گلیوں سے گزرتے وقت اتنی کثرت سے سنائی دے رہی تھیں کہ مضبوط سے مضبوط دل کو چھیرنے کے لیے کافی تھیں۔ آنسو اور نوحے تقریباً ہر گھر میں دیکھے گئے، خاص طور پر وبا کے پہلے حصے میں۔ کیونکہ آخر میں لوگوں کے دل سخت ہو چکے تھے۔ موت ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہتی تھی، اب لوگ اپنے دوستوں کے کھو جانے کی اتنی فکر نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کو یہ فکر رہتی تھی کہ بس اب اگلے لمحے خود ان کا بلاوا آرہا ہے۔" (1)

۱۹۱۸ء میں ہسپانوی فلو Spanish Flu کی وبا آئی تھی جس سے دنیا میں ۵۰ سے لیکر ۱۰۰ ملین تک لوگوں کی ہلاکتیں ہوئیں۔ اس وبا سے اسپین میں اتنی ہی اموات ہوئیں جتنی ہسپانوی خانہ جنگی میں ہوئی تھیں۔ (۲)

فلو سے بچنے کے لیے لوگ اس وقت بھی انہی احتیاتی تدابیر پر عمل پیرا تھے جو آج کل کرونا کی صورت میں لوگ کر رہے ہیں جس میں ماسک کا پہننا اور سماجی دوری اختیار کرنا شامل ہیں۔ امریکی ناول نگار کیتھرین اینی پورٹر نے ۱۹۳۹ء میں ہسپانوی فلو اور

جنگ عظیم اول کے تناظر میں 3 مختصر کہانیوں پر مشتمل کتاب Pale Horse, Pale Rider لکھا تھا۔ اس کی ٹائٹل اسٹوری "پیل ہارس، پیل رائڈر" 1918ء میں انفلوئنزا کی وبا کے دوران ایک اخبار میں کام کرنے والی خاتون مرانڈا اور ایک سپاہی ایڈم کی محبت کی کہانی ہے جس میں ایڈم کی موت فلو سے ہوتی ہے۔

جس طرح کرونا کے دنوں میں دیکھا گیا تھا کہ ہسپتالوں میں جگہیں ختم ہو گئی تھیں۔ آکسیجن کے سلنڈر نہیں مل رہے تھے۔ بالکل وہی حالات اس ناول میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ہسپتال میں نہ کوئی خالی بستر تھی اور نہ ایمبولینس تھے۔ ایڈم کی حالت خراب تھی اور اسے ہسپتال کی سخت ضرورت تھی۔ جب ایڈم کو ہسپتال میں جگہ نہیں مل رہی تھی تو انتہائی بے بسی میں، آخری کوشش کے لئے مرانڈا، ایڈم کو ایک غیر معروف اور بہت کم سہولیات والے ایک ہسپتال میں جانے کا کہتی ہیں، اس خیال سے کہ لوگوں کا دھیان وہاں نہیں جائے گا، لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی کیونکہ وہاں بھی ان کو جگہ نہیں ملی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں ایمرجنسی سہولیات نہ ہونے اور یا یہ سہولیات بہت کم ہونے سے کئی انسانی المیے وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کے لئے منصوبہ بندی کی ضرورت ہے:

> "اس نے ایڈم سے کہا، میں نے ابھی سوچا ہے، ہو سکتا ہے لوگ سینٹ لیوک ہسپتال کو بھول گئے ہوں۔ وہاں کے نرسوں سے بات کرو کہ اپنے پرانے (تعفن ذدہ) کمروں کے لئے اتنے خود غرض نہ بنو۔ ان سے کہو کہ مجھے ایک چھوٹا، گندہ، بدبودار کمرہ صرف تین دن یا اس سے بھی کم کے لئے چاہیے۔ ایڈم کوشش کرو۔" (۳)

"دی اسٹینڈ" (The Stand) امریکی ناول نگار سٹیفن کنگ کا مشہور ناول ہے۔ یہ ناول خاصا طویل ہے جو ۱۱۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی شہرت کا یہ عالم رہا ہے کہ اس کی ۴.۵ ملین کاپیاں فروخت ہوئیں۔ ناول میں ایک خیالی وبا (وبائی زکام) سے پوری دنیا متاثر ہو جاتی ہے جس سے زیادہ تعداد میں لوگ مر جاتے ہیں اور جو بچ جاتے ہیں وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ اچھائی کے کام کرتا ہے جبکہ دوسرا گروہ برائی کے کام۔ تاہم نیکی اور بدی کے جنگ میں آخر کار نیک لوگ ہی فتح یاب ہو جاتے ہیں۔ یہ ناول کنگ کے بہترین ناولوں میں شمار ہوتا ہے اور ایمیزون، بی بی سی اور ٹائم نے اس کو اب تک کی بہترین کتابوں کی لسٹ میں جگہ دی ہے۔ (۴)

نوبل انعام یافتہ فرانسیسی مصنف اور فلسفی البرٹ کامیو (Albert Comus) نے ۱۹۴۷ء میں طاعون وبا کے تناظر میں "دی پلیگ" (The Plague) کے نام سے ایک ناول لکھا جس میں الجیریا کے ساحلی شہر "اوران" کی طاعون وبا کے دوران منظر کشی کی گئی ہے۔ اس ناول میں البرٹ کامیو نے جو حالات بیان کئے ہیں، اسے پڑھ کر یہی لگتا ہے کہ گویا ہم کرونا کے حالات دیکھ رہے ہیں۔ شہر کی گلیوں میں جب لڑکھڑاتے چوہے زیادہ ہو جاتے ہیں اور بخار کی وجہ سے اموات بڑھ جاتی ہیں تو شہر میں موجود ڈاکٹرز حکام کو مجبور کرتے ہیں کہ سارے شہر کو قرنطینہ میں رکھ کر صفائی کے سخت اقدامات کئے جائیں۔ جس طرح کرونا کے دوران

لوگ لاک ڈاؤن پر صحیح طرح عمل نہیں کر رہے تھے اور کرونا سے انکاری تھے بالکل وہی صورتحال ''دی پلیگ'' میں بیان کی گئی ہے۔ پادریوں نے طاعون کو گناہوں کی سزا قرار دیا اور علاج سے انکار کیا۔ ابتداء میں سب لوگ انکاری تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ بیماری کسی کو بھی معاف نہیں کرتی تو لوگوں نے بعد میں طاعون کو ایک اجتماعی آفت کے طور پر تسلیم کیا اور انسداد طاعون کے لئے کوششیں کیں۔ البرٹ کامیو نے اس ناول میں بہت زبردست منظر کشی کی ہے اور وبا کی وجہ سے لوگوں پر جو معاشی اور نفسیاتی اثرات پڑتے ہیں ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ ڈر اور خوف کا ذکر، لوگوں کا ردعمل اور احتیاطی تدابیر، ان سب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ طاعون سے اوران شہر وہی منظر پیش کر رہا تھا جو ہم نے کرونا کے دوران شہروں میں دیکھا، یعنی بند گلیاں اور معطل کاروبار زندگی۔

۲۔ تاریخ میں گزری وباؤں کے تناظر میں اردو ادب پر ایک نظر:

ہندوستان میں بھی کئی تباہ کن وبائیں گزری ہیں جس نے لوگوں کے معاشی اور معاشرتی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ اُس دور کے ادیبوں کے تخلیقات میں ان وباؤں کا ذکر موجود ہے اور ایسے بہت سے ادبی شہ پارے ہیں جن کے پس منظر میں کسی نہ کسی وبا کا عکس محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ناولوں، افسانوں، مضامین، آپ بیتیوں اور ادبی خطوں میں وباؤں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ غالب اور علامہ اقبال کے خطوط سے لیکر راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں تک، تقریباً سب ہی معروف ادیبوں نے اپنے اپنے دور میں گزری وباؤں پر لکھا ہے۔ یہی وہ تخلیقات ہیں جو ڈائری کی طرح ہمیں اس دور میں پہنچا دیتی ہیں اور ہمیں وبا کے دوران لوگوں کے رویوں، انسانی المیوں، بقا کے لئے کوششوں اور تخلیق کاروں کے احساسات کا پتہ دیتی ہیں، نیز ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وبا ختم کرنے کے لئے کتنی کوششیں کی گئی ہیں اور آخر کار یہ وبائیں کس طرح ختم ہوئیں۔

اردو ادب کے ایک اہم صنف 'ناول' کی بات کی جائے تو اردو کے پہلے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ''توبتہ النصوح'' کو اس وقت ہندوستان میں ہیضہ وبا کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ جس میں خاندان کے ایک بزرگ 'نصوح' کو ہیضہ ہو جاتا ہے۔ اپنی موت کو قریب سے دیکھنے اور خواب میں عاقبت کے حالات دیکھنے کے بعد وہ اپنی گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور اپنے خاندان والوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہیضہ وبا کے دوران ہندوستان کے جو حالات بیان کئے گئے وہ حیران کن طور پر موجودہ حالات سے ملتے جلتے ہیں۔ وبا کی وجہ سے شہر کے شہر ویران پڑے تھے، بازاروں میں سناٹا تھا، لوگ ایک دوسرے سے ملنے سے گھبراتے تھے یعنی ایک طرح سے بغیر اعلان کئے لوگ سماجی فاصلہ پر عمل کر رہے تھے۔ لوگوں نے ہندوستان کی ثقافت میں رچی بسی رسمیں وبا کے خوف سے چھوڑ دی تھیں۔ بیمار پرسیاں، شادی بیاہ کی رسمیں، عبادتیں، مزاروں کی زیارتیں، مہمان داری اور ضیافتیں غرض ہر وہ سرگرمی جس میں لوگوں کا اختلاط تھا وہ ساری سرگرمیاں ختم ہو گئی تھیں۔ ہر شخص کو اپنی پڑی تھی ، کیونکہ کسی بھی وقت یکایک طبیعت خراب ہو سکتی تھی اور پھر ایک دو دن میں وصیت کی فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔(۵)

اس ناول میں ایک اور نفسیاتی رویے کی نشاندہی کی گئی ہے کہ لوگ وبا کے دنوں میں بہت عبادت گزار بن گئے تھے۔ مساجد آباد ہو گئے تھے اور وہ لوگ بھی عبادت کے لئے آ رہے تھے جنہوں نے کبھی اپنی زندگی میں مسجد کے اندر قدم ہی نہیں رکھا تھا۔ فرض نماز تو ادا ہو رہے تھے اس کے ساتھ ساتھ لوگ تہجد و اشراق کا اہتمام بھی کر رہے تھے۔ جنہوں نے زندگی میں ایک روزہ بھی نہیں رکھا تھا وہ بھی پکّے روزہ دار بن گئے تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے مطابق وبا کے خوف کی وجہ سے دلوں میں وہ رقت اور انکساری پیدا ہو گئی تھی کہ جو عام دنوں میں سالوں کی ریاضت و عبادت میں بھی ممکن نہیں تھی۔ لالچ رخصت ہو گئی تھی اور لوگوں کے دل ایک دوسرے کے لئے خیر سے بھر گئے تھے۔ ڈر اور خوف میں نفع و نقصان، لڑائی جھگڑے ثانوی چیزیں بن جاتی ہیں اور لوگ آپس میں شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہی ڈر اور خوف کے دن گزر جاتے ہیں وہی معمولات دوبارہ شروع ہو جاتی ہیں۔

معروف مصنف اور بیوروکریٹ قدرت اللہ شہاب کی خود نوشت ''شہاب نامہ'' کو بہت زیادہ شہرت اور پزیرائی ملی۔ شہاب نامہ کی یہ شہرت اب بھی برقرار ہے اور اس کے نئے ایڈیشن ابھی تک مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ ''شہاب نامہ'' کے ابتدائی دو ابواب بھی وباؤں کے بارے میں ہیں۔ پہلے باب میں جموں شہر میں ''طاعون وبا'' کا بھرپور ذکر ہے۔ ان دنوں پورے ہندوستان میں طاعون وبا نے تباہی مچائی تھی اور اس باب میں قدرت اللہ شہاب کے بچپن کے مشاہدات ہیں۔ دوسرے باب میں سرینگر میں ہیضہ وبا کا ذکر ہے۔(۶)

جاسوسی ناول نگار ابن صفی نے ''وبائی ہیجان'' کے نام سے 1985ء میں ایک ناول لکھا تھا۔ اس ناول میں ایک تخیّلاتی وبا کا ذکر ہے جس کو بڑی عالمی طاقتیں بطور حیاتیاتی ہتھیار Biological Weapon استعمال کرتی ہیں۔ اس ناول میں کئی ایسی تصورات ہیں جن کو لوگوں کے نفسیات کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ کرونا کے دنوں میں لوگوں کا خیال تھا کہ کروناوائرس ایک مصنوعی وائرس ہے جس کو لیبارٹری میں تیار کیا گیا ہے اور پھر ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنے ویکسین کی فروخت کے لئے اس کو دنیا بھر میں پھیلا دیا ہے۔ بالکل اسی طرح اس ناول میں بھی مصنوعی تیار کردہ وائرس کا ذکر ہے جس کو پسماندہ ممالک میں پھیلا دیا جاتا ہے اور اس سے ترقی یافتہ ممالک کا مقصد ان ممالک میں اپنا اثر و رسوخ اور کنٹرول بڑھانا ہوتا ہے۔ گویا ان کا مقصد ان لوگوں کو ''ہیجان'' میں مبتلا کرنا ہے تاکہ وہاں ان کی عملداری بڑھ جائے۔ یوں بستیوں میں وبا پھیلا دی جاتی ہے۔

> ''دنیا کی وہ بڑی طاقتیں جو اپنے اقتدار کے لئے آپس میں رسہ کشی کر رہی ہیں، اس سے بھی زیادہ گر سکتی ہیں۔ ان کے بلند بانگ نعرے جو انسانیت کا بول بالا کرنے والے کہلاتے ہیں کتنے زہر آلود ہیں اس کا اندازہ مشکل ہے۔ یہ ایسے ہی ایک ملک کی کہانی ہے، جو اپنے حریف سے نپٹنے کے لیے ایشیاء کی لاش پہ کھڑے ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر کم از کم ہمارے ملک کے

عوام اس سے بیزار ہی رہے ہیں، لہٰذا ان کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا
کہ یہاں ایک ناقابل فہم قسم کی وباء پھیلا کر اس کا علاج کیا جائے۔"(۷)

ہندوستان کی تاریخ میں طاعون وبا نے بہت زیادہ تباہی مچائی تھی، اس لیے طاعون وبا کے تناظر میں اردو ادب میں بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ "بستی" ناول جو انتظار حسین نے لکھا ہے، اس میں طاعون وبا کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آج کل کے مناظر ذہن میں آجاتے ہیں۔ خاموشیوں، ویرانیوں، ڈر اور خوف کی کیفیتوں، المیوں، بند ہوتے کاروباروں اور لوگوں کے رویوں کا ذکر۔

"چرونجی مل وید کی ودیا اور حکیم بندے علی کی حکمت سے پہلے ہی ہلے (حملے) میں اعتبار اٹھ گیا تھا۔ اب ڈاکٹر جوشی کی مسیحائی بھی اپنا اعتبار کھو بیٹھی۔ موت اب ایک اٹل حقیقت تھی۔ مرنے والے خاموشی سے مر رہے تھے۔ جنازہ اٹھانے والے تھکے تھکے نظر آنے لگتے۔۔۔۔ اس کے گھر کے سامنے کی سڑک اب کتنی ویران نظر آتی تھی۔ دکانوں اور مکانوں میں بالعموم تالے پڑے تھے۔ وسنتی کے گھر کے دروازہ میں تالا پڑ چکا تھا۔ کسی کسی دکان کا پٹ کسی وقت تھوڑا سا کھلا نظر آتا، اور پھر جلد ہی بند ہو جاتا۔"(۸)

ہم میں سے بہت سے لوگوں نے کوارنٹین یا قرنطینہ کا لفظ پہلی دفعہ کرونا وبا کے دوران سنا۔ لیکن بہت سے ادیبوں نے کئی سال پہلے اپنی تحریروں میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ ۱۹۴۰ء میں طاعون وبا کے تناظر میں ترقی پسند افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی نے اپنا افسانہ "کوارنٹین" لکھا تھا۔ اس افسانے میں دور حاضر کے حالات سے بہت زیادہ مشابہت ہے، خاص طور پر کوارنٹین یا قرنطینہ کے بارے میں لوگ مثبت نہیں سوچتے تھے۔ کرونا کے شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ قرنطینہ میں بہت سے لوگوں کو اکھٹے ایک جگہ بند کیا جاتا ہے اور جن کو کرونا کی بیماری نہیں بھی ہوتی تھی، ان کو بھی کرونا ہو جاتا تھا۔ بالکل وہی حالات اس افسانے میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ وبا ختم کرنے میں اگر ایک طرف محکمہ صحت، ڈاکٹرز، پیرا میڈیکل سٹاف اور حکومت کے باقی محکموں کا کردار ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کا بہت اہم کردار ہوتا ہے لیکن ان کو سرے سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ایک حساس ادیب کی نظر جب ان پوشیدہ کرداروں پر پڑتی ہے تو ان کی خدمات کو اجاگر کرنے کے لئے وہ اپنے قلم اٹھا دیتے ہیں۔ اس افسانے میں راوی ایک ڈاکٹر ہے اور ایک اہم کردار ولیم بھاگو کا ہے جو ایک خاکروب ہے لیکن خدمت کے معاملے میں وہ سب سے آگے ہے۔ گلیوں کی صفائی ہو یا کوارنٹین میں لوگوں کی خدمت، وہ بے لوث اور وبا کے ڈر سے بے نیاز لوگوں کی خدمت کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کی بیوی اور بچہ بھی وبا کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بلدیہ کے ساتھ لگاتار صفائی میں مصروف بھاگو کوارنٹین میں کئی لوگوں کی جان بچاتا ہے۔ وبا ختم ہونے پر ڈاکٹر بخشو کو اعزازات اور بہت سے انعام ملتے ہیں لیکن بھاگو کو دیکھتے ہی وہ ایک طرح سے احساس جرم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اپنے گلے میں ڈالے گئے ہار اسے بوجھ لگنے لگتے ہیں اور انعام دینے والوں کی ناقدر شناسی اسے مضمحل کر دیتی ہے کہ لوگ اصل ہیرو کیوں بھول جاتے ہیں۔

''اسی دن جلسہ کے بعد جب میں بطور لفٹننٹ کرنل کے اپنی پر غرور گردن کو اٹھائے ہوئے، ہاروں سے لدا پھندا، لوگوں کا ناچیز ہدیہ ایک ہزار ایک روپے جیب میں ڈالے ہوئے گھر پہنچا تو مجھے ایک طرف سے آہستہ سی آواز سنائی دی۔ 'بابو جی۔۔۔۔ بہت بہت مبارک ہو'
اور بھاگو نے مبارک باد دیتے وقت وہی پرانا جھاڑو قریب ہی کے گندے حوض کے ایک ڈھکنے پر رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں سے منڈاسا کھول دیا۔ میں بھونچکا سا کھڑا رہ گیا۔
'تم ہو۔۔۔ بھاگو بھائی'۔ میں نے بمشکل تمام کہا، 'دنیا تمہیں نہیں جانتی بھاگو تو نہ جانے۔۔۔۔۔ میں تو جانتا ہوں،،، تمہارا یسوع تو جانتا ہے۔ پادری لآبے کے بے مثال چیلے۔۔۔ تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔۔!'
اس وقت میرا اگلا سوکھ گیا۔ بھاگو کی مرتی ہوئی بیوی اور بچے کی تصویر میری آنکھوں میں کھچ گئی۔ ہاروں کے بار گراں سے مجھے اپنی گردن ٹوٹتی ہوئی معلوم ہوئی اور بٹوے کے بوجھ سے میری جیب پھٹنے لگی اور اتنے اعزاز حاصل کرنے کے باوجود میں بے توقیر ہو کر اس قدر شناس دنیا کا ماتم کرنے لگا۔''(۹)

نفسیاتی رویوں، وبا کی وجہ سے پیدا شدہ المیوں، لوگوں کے توہمات، میڈیکل سٹاف اور ڈاکٹروں کی خدمت و جانفشانی اور لمحہ بہ لمحہ بدلتے کرداروں سے مزین ڈاکٹر حسن منظر کا ناولٹ ''وبا'' جو ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا اور جس میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء کے دوران ملک میں پھوٹنے والی چیچک وبا کا مفصل ذکر ہے۔ اس ناولٹ میں کئی کردار اور ان کرداروں کے نفسیاتی رویے کرونا کے دوران لوگوں کے رویوں سے بے حد ملتے جلتے ہیں۔(۱۰)

۳۔ مکتوبات میں وبا کا ذکر:

تحریر میں شوخی و ظرافت کا ذکر ہو تو مرزا غالب کا نام ضرور ذہن میں آئے گا۔ غالب نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر کو بھی ایک نیا انداز دیا ہے۔ اپنے خطوط میں انہوں نے ہر موضوع پر بات کی ہے، اپنی غربت اور تنگدستی سے لیکر بادشاہوں کے درباروں اور موسموں کے ذکر تک۔ ان سب میں ایک بات مشترک ہے کہ ان کے مکتوبات میں شوخی اور زندگی ہے۔ ذکر چاہے بیماری کا کیوں نہ ہو، قاری پڑھتے پڑھتے مسکرا اٹھتا ہے۔ وبا کا ذکر بھی انہوں نے جداگانہ انداز میں کیا ہے۔ وبا کے بارے میں میر مہدی مجروح کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میں عام لوگوں کی طرح مرنا نہیں چاہتا اس لئے وبا میں نہیں مروں گا البتہ وبا ختم ہو جائے تو پھر دیکھا جائے گا۔ یعنی اب غالب اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہے کہ ایک عام وبا میں مر جائے۔ اسی خط میں اپنا یہ شعر بھی لکھا ہے کہ
''ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام ایک مرگ ناگہانی اور ہے''۔(۱۱)

اپنے روحانی استاد صاحب عالم کو اسی انداز میں کہتے ہیں کہ اس وبا میں بچ گیا جو میرے لئے ایک سعادت تھی حالانکہ وبا بہت عام تھی (۱۲)

اپنے اور اپنی بیوی کے بارے میں میر مہدی مجروح کو کہتے ہیں کہ بھلا یہ بھی کوئی وبا تھی جس میں ۶۶ برس کا مرد اور ۶۴ برس کی خاتون دونوں بچ گئے، ان میں سے ایک بھی مرتا تو ہم مانتے۔ (۱۳)

علامہ اقبال نے بھی اپنے خطوں میں ہندوستان میں پھیلی وبائی زکام کا ذکر کیا ہے۔ ہندوستان میں یہ وبا ۱۹۱۸ء کے قریب پھیل گئی تھی جس نے ایک بڑی آبادی کو متاثر کیا تھا۔ اس وبا کا ذکر اقبال نے اکبر الہ آبادی کو لکھے گئے ایک خط میں کیا ہے۔ وبا کی شدت کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے کہ لاہور میں اتنے لوگ مر رہے ہیں کہ گورکن بھی نہیں ملتے۔ اس وبا کا ابھی تک کوئی علاج بھی نہیں ہے کیونکہ ڈاکٹر خود اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ (۱۴)
ہسپانوی فلو کے نام سے مشہور انفلوئزا کا ذکر علامہ اقبال نے کئی جگہ کیا ہے۔ محمد نیاز الدین خان کو لکھے گئے ایک خط میں علامہ اقبال نے کچھ احتیاطی تدابیر اور دیسی علاج کا ذکر کیا ہے۔ جس میں قہوہ اور دار چینی کے استعمال کا مشورہ دیا گیا ہے۔ (۱۵)

حوالہ جات

1۔ ڈیفو، ڈینئل (۱۷۲۲ء) اے جرنل آف دی پلیگ ائر، گلوبل گرے ای۔ بکس، لندن، ص ۱۵

2۔ Killingray D. (1994). The Influenza Pandemic of 1918-1919 in the British Caribbean. 7:59-87. doi: 10.1093/shm/7.1.59.

3۔ پورٹر، کیتھرین اینی (۱۹۳۹ء) پیل ہورس، پیل رائیڈر، ماڈرن لائبریری، نیویارک، ص ۲۳۵

4۔ سٹیفن کنگ (۱۹۷۸ء) دی سٹینڈ، ڈبل ڈے، نیویارک

5۔ نذیر احمد، ڈپٹی (۱۸۷۳ء) توبتہ النصوح، شمس المطابع، لکھنؤ

6۔ شہاب، قدرت اللہ (۱۹۸۷ء) شہاب نامہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

7۔ ابن صفی (۱۹۵۸ء)، وبائی ہیجان، جلد ۲۵، سیریز ۷۶، ص ۸۷

8۔ انتظار حسین (۱۹۸۳ء)، بستی، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص ۱۷

9۔ بیدی، راجندر سنگھ (۱۹۴۳ء)، دانہ و دام، لاہور، نیا ادارہ، ص ۱۲۴

10۔ حسن منظر، ڈاکٹر (۲۰۰۹ء)، وبا، کراچی، شہر زاد

11۔ غالب، اسد اللہ خان (1908ء)، اردوئے معلی، مرتب سید اویس قرنی، آخز سید عبد السلام، دہلی، مطبع فاروقی، ص ۱۸۲

12۔ ایضاً، ص ۱۹۸

13۔ ایضاً، ص ۱۵۲

14۔ برنی، سید مظفر حسین (۱۹۸۹ء)، کلیات مکاتیب اقبال جلد اول، دہلی، اردو اکادمی، ص ۶۰۷

Refrences:

1. Defoe, Daniel (1722), *A Journal of the Plague Year*, Global Grey E-Books, London, P.15.
2. Killingray D. (1994), *The Influenza Pandemic of 1918–1919 in the British Caribbean*, 7:59–87, doi: 10.1093/shm/7.1.59.
3. Porter, Katherine Anne (1939), *Pale Horse, Pale Rider*, Modern Library, New York, P.235.
4. Stephen King (1978), *The Stand*, Doubleday, New York.
5. Nazir Ahmad, Deputy (1873), *Taubat-un-Nasuh*, Shams-ul-Matabi', Lucknow.
6. Qudratullah Shahab (1987), *Shahab Nama*, Sang-e-Meel Publications, Lahore.
7. Ibn-e-Safi (1958), *Wabai Hejaan*, jild 25, series 76, P.87.
8. Intizar Hussain (1983), *Basti*, Lahore, Sang-e-Meel Publications, P.17.
9. Bedi, Rajinder Singh (1943), *Dana-o-Daam*, Lahore, Naya Idara, P.124.
10. Dr. Hasan Manzar (2009), *Waba*, Karachi, Sheherzad.
11. Ghalib, Asadullah Khan (1908), *Urdu-e-Mu'alla*, murattib: Syed Owais Qarni, maakhaz: Syed Abdus Salam, Dilli, Matba' Farooqi, P.182.
12. Aizan, P.198.
13. Aizan, P.152.
14. Barni, Syed Muzaffar Husain (1989), *Kulliyat-e-Makatib-e-Iqbal*, jild 1, Dilli, Urdu Academy, P.760.